رسولؐ کی حیثیتِ شخصی اور حیثیتِ نبوی

(پچھلے دنوں دمشق کے ماہنامہ "المسلمون" میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی کتاب تفہیمات حصہ اول کے دو مضمون "آزادی کا اسلامی تصور" اور "اتباع و اطاعت رسول" شائع ہوئے تھے۔ پہلے مضمون کے شائع ہونے کے بعد دمشق کے ایک صاحب کا اس کے متعلق "المسلمون" میں ایک استفسار شائع ہوا جس کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

"کیا محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام باعتبار انسان ہمارے اندر ایک عام فرد کی حیثیت رکھتے ہیں؟ اور باعتبار انسان ان کے اندر بھی ایسی ذاتی خواہشات پائی جاتی ہیں جن کی بنا پر وہ لوگوں پر اپنی ذاتی عظمت کا سکہ جمائیں اور اپنے شخصی اقتدار کے پنجے میں جکڑیں؟ اگر یہ صورت ہے تو آپ کا بحیثیت نبی معصوم ہونا اور بحیثیت انسان محفوظ ہونا چہ معنی دارد؟ آپ کی اس زندگی کی تفصیلات کیا ہیں جب کہ آپ محض انسان تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصب نبوت پر سرفراز نہیں فرمایا تھا؟ اور کیا رسول ہونے کے بعد آپ کی یہ حیثیتیں: حیثیت بشری اور حیثیت نبوی یکجا ہو گئی ہیں یا الگ الگ ہیں؟ اور کیا ان دونوں حیثیتوں کو ایک دوسرے سے جدا کیا جا سکتا ہے؟ تاکہ محمد الرسول کی اطاعت کی جائے اور محمد الانسان کی مخالفت میں ہم آزاد ہوں؟ کیا اس تفریق کے لیے کوئی قاعدۂ کلیہ بھی موجود ہے جس کی روشنی میں ہم آپ کے انسانی کلام — جس سے اختلاف کا ہمیں حق ہے — اور نبوی کلام — جو واجب الاطاعت ہے — کے درمیان خط امتیاز کھینچ سکیں؟

کیا نبی کی ذاتی رائے سے اختلاف کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے؟ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے اندر یہ روح پھونکتے تھے کہ بحیثیت انسان آپ کی اطاعت واجب نہیں ہے۔ بلکہ اپنی ذاتی رائے سے اختلاف کرنے میں ان کی ہمت افزائی کرتے تھے نیز کیا یہ درست ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی حجت اور دلیل کی بنا پر آپ سے بحیثیت انسان اختلاف کیا تھا ...؟"

اس استفسار کا رخ چونکہ دمشق ہی کے ایک مشہور عالم محمد منتصر الکتانی کی طرف تھا اس لیے مولانا

مودودی نے از خود اس کا جواب دینے کی ضرورت محسوس نہ کی، لیکن اس کے بعد جب "المسلمون" میں مولانا کا دوسرا مضمون شائع ہوا تو مولانا کو ادارہ المسلمون کی طرف سے ایک خط موصول ہوا جس میں انہوں نے لکھا کہ ان دونوں مضمونوں میں یہاں ایک طرح کا تعارض محسوس کیا جا رہا ہے، جسے رفع کرنے کی ضرورت ہے اس پر مولانا نے "المسلمون" میں شائع ہونے کے لیے جو مضمون بھیجا ہے، اسے ہم قارئین ترجمان القرآن کی اطلاع واستفادہ کے لیے ذیل میں نقل کر رہے ہیں — م-ع-ح]

"المسلمون" جلد ششم، شمارہ ۶، ۷ اور ۸ میں میرے جو مضامین "آزادی کا اسلامی تصور" اور "اتباع و اطاعت رسول" کے عنوان سے شائع ہوتے ہیں، ان کے متعلق مجھے توجہ دلائی گئی ہے کہ ان میں تناقض محسوس ہوتا ہے، جسے رفع کرنے کی ضرورت ہے۔ یعنی پہلے مضمون میں تو کہا گیا ہے کہ نبی کی حیثیتِ شخصی اور حیثیتِ نبوی الگ الگ ہیں اور اسلام کی دعوت صرف حیثیتِ نبوی کی اطاعت کی طرف ہے نہ کہ حیثیتِ شخصی کی اطاعت کی طرف۔ لیکن دوسرے مضمون میں اس بات سے انکار کیا گیا ہے کہ نبی کی یہ دو حیثیتیں الگ الگ ہیں اور پورے اصرار کے ساتھ کہا گیا ہے کہ نبی کی ایک ہی حیثیت تھی اور وہ تھی صرف نبی ہونے کی حیثیت۔ ان دونوں باتوں میں توفیق و تطبیق کی کیا صورت ہے؟

علاوہ بریں میرے پہلے مضمون "آزادی کا اسلامی تصور" پر دمشق سے ایک صاحب نے کچھ سوالات کیے ہیں، جو المسلمون کے شمارہ ۷ میں درج ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان سوالات کا رخ استاذ محمد المنتصر الکتانی کی طرف ہے، جن کا جواب اگر شائع ہو جائے تو انشاء اللہ میرے لیے بھی مفید ثابت ہوگا، لیکن چونکہ یہ سوالات میرے مضمون پر وارد کیے گئے ہیں، اس لیے مجھ پر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ فاضل مستفسر کی تشفی کی کوشش کروں۔

یہ دونوں اعتراضات چونکہ ایک دوسرے سے قریبی تعلق رکھتے ہیں، اس لیے ایک ہی مختصر مضمون میں ان کا جواب دے رہا ہوں۔

دراصل اس مسئلے کے دو پہلو ہیں۔ ایک نظری، اس اعتبار سے کہ حقیقت نفس الامری کیا ہے؟ دوسرے عملی، اس لحاظ سے کہ جہاں تک نبی کی ذات سے ہدایت اخذ کرنے کا تعلق ہے، آیا وہ ہمارے لیے پورا

کا پورا نبی اور صرف نبی ہے یا ہم اس کی شخصیت کو دو حصّوں میں تقسیم کر کے صرف اس کی حیثیت نبوی کا اتباع اور اسی کی اطاعت کریں گے اور حیثیتِ شخصی کو چھوڑ دیں گے ؟

اب پہلے نظری پہلو کو لیجیے۔ قرآن مجید اس معاملہ میں بالکل واضح ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیثیت شخصی اور حیثیتِ نبوی میں فرق ہے۔ وہ انسانوں کو اپنا بندہ بنانے کے لیے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا بندہ بنانے کے لیے بھیجے جاتے تھے، مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ "کسی انسان کا یہ کام نہیں ہے کہ اللہ تو اس کو کتاب اور حکم اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کے بجائے تم میرے بندے بن جاؤ۔ وہ تو یہی کہے گا کہ سچے ربانی بنو" (آل عمران ۷۹)۔ ان کے سپرد دو فریضے ایک ساتھ کیے جاتے تھے۔ ایک یہ کہ لوگوں کو ہر غیر اللہ کی بندگی سے نکالیں، جس میں دوسری سب مخلوقات کے ساتھ ان کی اپنی ذات بھی شامل تھی۔ دوسرے یہ کہ ان کو صرف ایک اللہ کی بندگی میں داخل کریں:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (النحل ۳۶)

ہم نے ہر قوم میں (یہ پیغام دے کر) ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے الگ رہو۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (آل عمران ۶۴)

کہو اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے۔ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنالے۔

دین میں ان کی بے چون وچرا اطاعت کا جو حکم دیا گیا، وہ ان کے ذاتی استحقاق کی بنا پر نہیں بلکہ صرف اس بنا پر تھا کہ رسول ہی وہ شخص ہے جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اپنی مرضی ظاہر فرماتا اور اپنے احکام بھیجتا ہے۔ اسی وجہ سے رسول کی اطاعت عین اللہ کی اطاعت قرار دی گئی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (النساء: ۶۴)

ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے، اسی لیے بھیجا ہے کہ اذنِ خداوندی کی بنا پر اس کی اطاعت کی جائے۔

اور :

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء - ۸)

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے دراصل خدا کی اطاعت کی۔

اس کے ساتھ یہ امر بھی قرآن اور بکثرت احادیث سے ثابت ہے کہ جو بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے نہیں بلکہ اپنی رائے سے کی یا کہی ہے اس میں بے چون وچرا اطاعت کا وہ مطالبہ آپ نے کبھی نہیں کیا جو امرالٰہی کے تحت کوئی کام کرنے یا کوئی بات کہنے کی صورت میں کیا ہے۔ اس کی بہت سی مثالیں میں نے اپنے مضمون "آزادی کا اسلامی تصور" میں پیش کی ہیں خصوصاً حضرت زید کا حضورؐ کے منع فرمانے کے باوجود سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دینا اور اللہ اور اس کے رسول کا ان پر کوئی نکیر نہ کرنا تو اس کی صریح مثال ہے جس کی کوئی توجیہ اس کے سوا نہیں کی جاسکتی جو مَیں نے اپنے اس مضمون میں کی ہے۔ اور تابیرِ نخل والے معاملے میں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس مسئلے کو بالفاظِ صریح فرما چکے ہیں :

انما انا بشر اذا امرتکم بشیءٍ من دینکم فخذوا به واذا امرتکم بشیءٍ من رایٍ فانما انا بشر —— انما ظننت ظنًّا فلا تؤاخذونی بالظن ولکن اذا حدثتکم من اللہ شیئًا فخذوا بہٖ فانی لم اکذب علی اللہ —— انتم اعلم بامر دنیاکم (صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب وجوب امتثال ماقاله شرعًا دون ماذکرہٗ صلی اللہ علیه وسلم من معایش الدنیا علی سبیل الرأی)

میں بھی ایک انسان ہی ہوں، جب میں تم کو تمہارے دین کے متعلق کوئی حکم دوں تو اسے مانو اور جب میں اپنی رائے سے کچھ کہوں، تو بس میں بھی ایک انسان ہی ہوں —— میں نے اندازہ سے ایک بات کہی تھی۔ تم میری اُن باتوں کو نہ لو، جو گمان اور رائے پر مبنی ہوں۔ ہاں جب میں خدا کی طرف سے کچھ بیان کروں تو اس کو لے لو، اس لیے کہ مَیں نے خدا پر کبھی جھوٹ نہیں باندھا —— تمہیں اپنے دنیوی معاملات کا زیادہ علم ہے۔

یہ تو ہے نظری اور اصولی فرق۔ اب اس کے عملی پہلو کو لیجیے۔

دراصل یہ ایک بڑا نازک اور پیچیدہ معاملہ تھا کہ ایک بشر کو اللہ تعالیٰ اپنا واحد نمائندہ بنا کر انسانوں کے

درمیان اس دوہری خدمت پر مامور نہ ملتے کہ ایک طرف تو وہ بشر اپنے ابنائے نوع کو اپنی شخصیت سمیت تمام مخلوقات کی بندگی سے آزاد کرے اور خود اس آزادی کی انہیں تربیت دے، اور دوسری طرف وہی بشر ان سے اللہ کی مکمل، بے چون وچرا اطاعت کرائے اور اس اطاعت کا مرجع بھی تمام عملی اغراض کے لیے اس بشر کی اپنی ہی ذات من حیث الرسول ہو۔ یہ دو متضاد کام ایک ہی شخصیت کو بیک وقت کرنے تھے اور ان کے حدُود ایک دوسرے کے ساتھ اتنے گُتھے ہوئے تھے کہ خود اللہ اور اس کے رسول کے سوا کوئی دوسرا ان کے درمیان خطِ امتیاز نہ کھینچ سکتا تھا۔

اس معاملہ کی نزاکت اور پیچیدگی اور زیادہ بڑھ جاتی ہے جب ہم تین باتوں پر غور کرتے ہیں:

اوّل یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت احکامِ الٰہی کے تحت اپنی اطاعت کراتے تھے اُس وقت تو ظاہر ہی ہے کہ آپ ایک وظیفۂ رسالت انجام دیتے تھے، مگر جس وقت آپ اپنے انتہائی اطاعت گزار متبعین کو خود اپنی ذات کی ذہنی غلامی سے آزاد کرکے حریتِ فکر و رائے کی تربیت دیتے تھے، جب آپ اُن کو اپنی شخصی آراء کے مقابلے میں اختلاف کی ہمت دلاکر تمام انسانوں کے سامنے استقلالِ فکر برتنا سکھاتے تھے، اور جب آپ اپنی حیثیتِ شخصی اور حیثیتِ نبوی میں خود ایک خطِ امتیاز کھینچ کر بتاتے تھے کہ یہاں تم آزاد ہو اور یہاں تمہارے لیے سمع و طاعت کے سوا چارہ نہیں ہے، اُس وقت بھی در اصل آپ وظیفۂ رسالت ہی کا ایک حصہ ادا فرماتے تھے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر ہمارے لیے آپ کی حیثیتِ شخصی اور حیثیت نبوی کے فرق کو سمجھنا اور عملاً ان دونوں حیثیتوں میں فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہاں یہ دونوں حیثیتیں ایک دوسرے سے اس طرح ملی جُلی نظر آتی ہیں کہ ان کے درمیان صرف نظری فرق رہ جاتا ہے، عملاً اپنی شخصی حیثیت میں بھی کام کرتے وقت آپ نبوت ہی کا ایک کام کرتے پائے جاتے ہیں۔

ثانیاً، جو معاملات بظاہر بالکل شخصی معاملات ہیں، مثلاً ایک انسان کا کھانا، پینا، کپڑے پہننا، نکاح کرنا، بیوی بچوں کے ساتھ رہنا، گھر کا کام کاج کرنا، غسل اور طہارت اور رفعِ حاجت وغیرہ، وہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں خالص نجی نوعیت کے معاملات نہیں ہیں، بلکہ انہی میں شرعی حدود و احکام طریقوں اور آداب کی تعلیم بھی ساتھ ساتھ شامل ہے، اور آدمی کے لیے خود یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوتا ہے کہ ان میں کہاں حیثیت

رسالت ختم ہوتی ہے اور حیثیتِ شخصی شروع ہو جاتی ہے۔

ثالثاً، قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ نبی کی ذات بحیثیت مجموعی ایک اسوہ ہے جس کا ہر پہلو اور ہر رُخ ہمیں ہدایت کی روشنی دیتا ہے اور اس ذات کا کوئی فعل اور قول بھی ہوائے نفس یا ضلالت و غوایت سے ذرہ برابر بھی آلودہ نہیں ہے:

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (الاحزاب۔ ۲۱)	تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین اسوہ ہے
یا ایہا النبی انا ارسلناک شاھداً ومبشراً ونذیراً وداعیاً الی اللہ باذنہ وسراجاً منیراً (الاحزاب ۴۵-۴۶)	اے نبی ہم نے تمہیں (لوگوں کے لیے) گواہ اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا اور اللہ کے اذن سے اللہ کی طرف بلانے والا اور ایک روشن چراغ بنایا ہے۔
ما ضل صاحبکم وما غویٰ وما ینطق عن الھویٰ، ان ھو الا وحی یوحیٰ۔ (النجم ۲،۳،۴)	تمہارا صاحب (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نہ بدراہ ہوا اور نہ گمراہ ہوا اور جو کچھ وہ کہتا ہے، ہوائے نفس کی بنا پر نہیں کہتا۔ اس کی بات کچھ نہیں ہے مگر وحی جو اس پر نازل کی جاتی ہے

ان وجوہ سے نہ تو عملاً ہمارے لیے یہ ممکن ہے اور نہ شرعاً ہم اس کے مجاز ہیں کہ بطور خود ہم نبی کی حیثیت شخصی اور حیثیت نبوی میں فرق کریں اور آپ ہی آپ اس کے حدود متعین کر لیں، اور خود ہی یہ بھی طے کر لیں کہ فلاں امور آپ کی حیثیتِ نبوی کے تحت تھے جن میں ہم آپ کی اطاعت کریں گے اور فلاں شخصی حیثیت میں تھے جن میں ہم آپ کے اتباع اور اطاعت سے آزاد ہیں۔ اس فرق کے معلوم ہونے کا ذریعہ یا تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی تصریح ہو سکتی ہے، یا پھر وہ اصولِ شریعت جو آپ ہی کی دی ہوئی تعلیمات سے مستنبط ہوں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ صحابۂ کرام اپنی رائے ظاہر کرنے سے پہلے آپ سے دریافت کر لیتے تھے کہ آپ کا ارشاد یا عمل حکم الٰہی کی بنا پر ہے یا اپنی ذاتی رائے پر، اور جب معلوم ہو جاتا تھا کہ وہ آپ کی ذاتی رائے سے ہے، تب وہ اپنی بات عرض کرتے تھے۔ چنانچہ غزوۂ بدر میں حضرت حباب بن المنذر نے اپنی رائے پیش کرنے سے پہلے پوچھ لیا کہ اس مقام کا انتخاب وحی کے

ذریعے سے کیا گیا ہے جس سے آگے بڑھنا یا پیچھے ہٹنا ہمارے لیے جائز نہیں ہے، یا یہ محض ایک تدبیرِ جنگ کے طور پر ہے؟ اسی طرح غزوۂ خندق میں حضرت سعد بن معاذ نے بنی غطفان سے صلح کی تجویز پر اظہارِ رائے کرنے سے پہلے دریافت کر لیا "اے اللہ کے رسول! کیا یہ ارادہ وحی کی بنا پر فرمایا گیا ہے کہ اس میں ہمارے لیے مجالِ کلام نہیں ہے، یا حضور صرف اپنی رائے سے ایسا کرنا چاہتے ہیں؟

اور بعض اوقات نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی یہ ظاہر فرما دیتے تھے کہ فلاں بات آپ اللہ کی طرف سے ایک حکمِ دینی کے طور پر نہیں فرما رہے ہیں بلکہ اپنی شخصی رائے ظاہر فرما رہے ہیں، جیسا کہ اوپر تابیرِ نخل کے معاملہ میں حضورؐ کے ارشادات گزر چکے ہیں۔

اور بعض اوقات معاملہ کی نوعیت ہی ایسی ہوتی تھی جس سے خود بخود یہ ظاہر ہوتا تھا کہ حضورؐ کا ارشاد اپنی شخصی حیثیت میں ہے۔ مثلاً حضرت زید سے آپ کا فرمانا کہ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ "اپنی بیوی کو طلاق نہ دو اور اللہ سے ڈرو"۔ اس ارشاد کے متعلق یہ بات ظاہر تھی کہ یہ ایک مومن کو نبی کا حکمِ شرعی نہیں ہے بلکہ ایک خاندان کے فرد کو بزرگِ خاندان کا مشورہ ہے۔ اسی وجہ سے حضرت زیدؓ نے حضور کے ارشاد کے باوجود حضرت زینب کو طلاق دی اور اللہ اور اس کے رسول نے اس پر کوئی نکیر نہ کرنے سے یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت زیدؓ نے آپ کے فرمان کی نوعیت ٹھیک مشخص کی تھی۔

یہ تو وہ مثالیں ہیں جو حضورؐ کی حیاتِ طیبہ میں پیش آئی تھیں۔ ان کے علاوہ متعدد معاملات ایسے ہیں جن میں اب بھی اصولِ شریعت کی روشنی میں اس فرق کو معلوم کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً حضورؐ کے لباس اور آپ کے کھانے کے معاملہ کو لیجیے۔ اس کا ایک پہلو تو یہ تھا کہ آپ ایک خاص وضع اور قطع کا لباس پہنتے تھے جو عرب میں اس وقت پہنا جاتا تھا اور جس کے انتخاب میں آپ کے شخصی ذوق کا دخل بھی تھا۔ اسی طرح آپ وہی کھانے کھاتے تھے جیسے آپ کے عہد میں اہلِ عرب کے گھروں میں پکتے تھے اور ان کے انتخاب میں بھی آپ کے اپنے ذوق کا دخل ہوتا تھا۔ دوسرا پہلو یہ تھا کہ اسی کھانے اور پہننے میں آپ اپنے عمل اور قول سے شریعت کے حدود اور اسلامی آداب کی تعلیم دیتے تھے۔ اب یہ بات خود حضور ہی کے سکھائے ہوئے اصولِ شریعت سے ہم کو معلوم ہوتی ہے کہ ان میں سے پہلی چیز آپ کی شخصی حیثیت سے تعلق رکھتی تھی اور دوسری چیز حیثیتِ نبویہ سے

اس لیے کہ شریعت نے جس کی تعلیم دینے کے لیے آپ اللہ کی طرف سے مامور کیے گئے تھے، انسانی زندگی کے اس معاملہ کو اپنے دائرہ عمل میں نہیں لیا ہے کہ لوگ اپنے لباس کس تراش خراش اور وضع قطع پر سلوائیں، اور اپنے کھانے کس طرح پکائیں، البتہ اس نے یہ چیز اپنے دائرۂ عمل میں لی ہے کہ کھانے اور پہننے کے معاملے میں حرام اور حلال اور جائز اور ناجائز کے حدود معین کرے اور لوگوں کو اُن آداب کی تعلیم دے جو اہلِ ایمان کے اخلاق و تہذیب سے مناسبت رکھتے ہیں۔

یہ فرق خواہ ہم کو حضورؐ کی تصریح سے معلوم ہو یا آپ کے سکھائے ہوئے اصولِ شریعت سے، بہرحال اس کے علم کا ذریعہ نبی کی تعلیم ہی ہے۔ گویا ہم آپ کی حیثیتِ شخصیہ کے کام کو متعین کرنے کے لیے بھی آپ کی حیثیتِ نبویہ ہی کی طرف رجوع کریں گے۔ حیثیتِ شخصیہ سے براہِ راست ہمارا کوئی معاملہ نہیں ہے جو آپ کی حیثیتِ نبویہ کو نظر انداز کر کے ہم کر سکتے ہوں۔ یہی وہ چیز ہے جس پر میں نے اپنے دوسرے مضمون "اتباع و اطاعتِ رسول" میں منکرینِ سنت کو متنبہ کیا ہے۔ ان کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ محمدؐ بن عبد اللہ باعتبارِ رسول اور محمد بن عبد اللہ باعتبارِ انسان میں خود تفریق کر کے ان دونوں حیثیتوں کے کاموں میں ایک خطِ امتیاز کھینچ دیتے ہیں اور آپ کی زندگی کے جس دائرے کو وہ خود آپ کی حیثیتِ رسالت سے الگ سمجھ بیٹھے ہیں، اس کے اتباع و اطاعت سے خود ہی انہوں نے آزادی اختیار کر لی ہے۔ حالانکہ حضورؐ کی شخصی اور نبوی حیثیتوں میں حقیقت کے اعتبار سے جو بھی فرق ہے، وہ عند اللہ و عند الرسول ہے اور ہمیں اس سے صرف اس لیے آگاہ کیا گیا ہے کہ ہم کہیں عقیدے کی گمراہی میں مبتلا ہو کر محمد بن عبد اللہ کو اللہ کے بجائے مطاعِ حقیقی نہ سمجھ بیٹھیں۔ لیکن امت کے لیے تو عملاً آپ کی ایک ہی حیثیت ہے اور وہ ہے رسول ہونے کی حیثیت۔ حتیٰ کہ محمد بن عبد اللہ کے مقابلے میں اگر ہم کو آزادی حاصل بھی ہوتی ہے، تو وہ محمد رسول اللہ کے عطا کرنے سے ہوتی ہے اور محمد رسول اللہ ہی اس کے حدود متعین کرتے ہیں اور اس آزادی کے استعمال کی تربیت بھی ہم کو محمد رسول اللہ ہی نے دی ہے۔

ان توضیحات کے بعد اگر میرے دونوں مضمونوں کو ملاحظہ کیا جائے تو کوئی غلط فہمی باقی نہیں رہ سکتی۔